عزاداری

ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے

مولانا سید جمال عباس سرسوی

عزاداری ! سرکار سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کے خونچکاں قیام اور انقلاب آفرین شہادت کے تسلسل کا نام ہے۔ یہ آزاد اندیش اور حریت پسند انسانوں کے لئے اپنے مقاصد و اہداف تک رسائی کے لئے آئیڈیل اور مشعل راہ ہے۔اس کے بے پناہ آثار و برکات میں سے "اخلاقی و تربیتی پہلو" بنی نوع بشر کے لئے سعادت اور خوش بختی کا پیش خیمہ ہے۔اس تحریر میں ہم عزاداری کا ایک تربیت گاہ کی حیثیت سے جائزہ لیں گے اور اس کے بعض اخلاقی و تربیتی پیغامات کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ ان پر عمل کرکے کامیابیوں کی راہیں طے کی جا سکیں۔

دنیا کی تمام موجودات، بلکہ پوری کائنات اور تمام مخلوقات کے بالمقابل انسان کی اہم ترین امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ رب کریم نے اسے دولت عقل و خرد سے نوازا ہے۔ اسی لئے اس میں تکوینی و تخلیقی نشو و نما کے علاوہ رُشد و کمال کی قابلیت اور ترقی و اقبال کی استعداد پائی بھی جاتی ہے۔ اسی سے انسان کی شخصیت، قابل اہمیت بنتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ خداوند متعال نے کائنات کی تمام موجودات کو اس کے رشد اور تکامل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:"هُوَالَّذِی خَلَقَلَکُمْ مَافِی الْأَرْضِ جَمِیعًا"[1]۔ لہٰذا اگر انسان عقل و خرد کی راہنمائی میں صحیح تربیتی عوامل کے زیر سایہ، رشد و کمال اور تربیت کے مراحل کو بحسن و خوبی طے کرے تو وہ انسانی کمال اور فضائل کے اس بلند ترین مقام تک پہنچ سکتا ہے، جہاں ملائکہ بھی پہنچنے سے قاصر ہیں۔ البتہ کامل "نمونۂ عمل" شخصیتوں کی پیروی میں ترقی کا یہ سفر اور آسان ہے۔" قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِی اِبْرَاھِیمْ "[2] اور " لَکُمْ فِی رَسُوْلُ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "[3]،اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہیں۔

۱۔ سورۂ بقرہ: ۲۹۔

۲۔ سورۂ ممتحنہ: ۴

۳۔ سورۂ احزاب: ۲۱۔

کربلا اور واقعہ عاشور، اپنے تلخ، غم انگیز، کربناک اور مصیبت بھرے حادثات و واقعات کے باوجود، سرکار سید الشہداء اور آپ کے جانثار اصحاب باوفا کا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کے سامنے عقل انسانی دم بخود اور کائنات سراپا حیرت و استعجاب ہے۔ در حقیقت کربلا ایسی ہمہ جہت درسگاہ اور عزاداری ایسی بے مثال تربیت گاہ ہے جس میں ہر شعبہ حیات کے لئے نمونہ عمل موجود ہیں۔ خود مولا امام حسین علیہ السلام کا فرمان ہے: "وَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ، میری زندگی تمہارے لئے نمونۂ عمل ہے"[۱]۔ لہذا ہر عزادار ہر سال کربلا والوں کی یاد مناتے ہوئے ان سے عہد کرتا ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھائے گا اور ان کے مقصد کو عام کرتے ہوئے پوری دنیا کو حسینی کردار میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرے گا تاکہ منتقم خون حسین اور وارث کربلا کی عدل و انصاف سے لبریز حکومت کی راہ ہموار ہو سکے، ظالم اپنے کیفر کردار کو پہونچیں اور مظلوموں کو ان کا حق مل سکے۔

ذیل میں ہم کربلا کے بعض اخلاقی و تربیتی پیغامات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تاکہ ہر عزادار، ان پر عمل کر کے اس حسینی تربیت گاہ سے فیض اٹھاتے ہوئے، کربلا والوں کی طرح کامیاب ہو سکے[۲]۔ کیونکہ "جینا اور مرنا" دونوں ہی میں اچھے، بہترین اور کامل نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے[۳]۔ اور کربلا میں سماج کے تمام اصناف کی نمائندگی اور ہر عمر کے افراد اور ہر رشتہ موجود ہے؛ گودی کے شیر خوار، چھوٹے بچے، نوجوان، جوان، درمیانی عمر کے لوگ، بوڑھے، عورت، مرد، نئی دلہن، نیا دولہا، بھائی، بہن، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ، آقا، غلام، کنیز، گورے، کالے، عرب، عجم، نو مسلم، مستبصر وغیرہ۔ لہٰذا ہر انسان جیسا چاہے اپنے لئے ایک مناسب آئیڈیل چن سکتا ہے جن میں سے بعض کی جانب اب ہم اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ ایمان

اہل نظر جانتے ہیں کہ "ایمان "ایک وسیع عنوان ہے۔ جس کی اصل و بنیاد "ایمان باللہ" ہے۔ پیغمبروں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، جنت و جہنم، قیامت، حساب و کتاب وغیرہ پر ایمان، اسی "ایمان باللہ" کے مختلف شعبے ہیں۔

۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۴۰۸، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۷۔

۲۔ فَیالیتَنی کنتُ معکم فَافُوزَ فوزاً عظیماً (زیارت وارثہ)۔

۳۔ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، ص ۸۰۴، زیارت عاشوراء: "اللھم اجْعَل مَحیایَ مَحْیا محمدٍ وآلِ محمدٍ وَمَمٰاتی مَماتَ مَحمدٍ وآل محمد. "خدایا میری زندگی کو محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ کی زندگی کی طرح اور موت کو بھی محمد اور ان کے اہلبیتؑ کی طرح قرار دے۔

"ایمان" صرف ذہن اور فکر پر ہی اثرانداز نہیں ہوتا بلکہ انسان کے پورے وجود پر اثر ڈالتا ہے۔ انسان کے موقف اور اس کی عملی زندگی میں اس کے ایمان کو بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

کربلا، امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور عزاداری کا بھی اہم ترین اور بنیادی پیغام "ایمان" ہی ہے یہ ایمان کہ خدا سچا ہے، اپنے وعدوں کا پکا ہے، حاضر وناظر ہے، چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے وغیرہ۔ ...، ثبات قدم کا باعث اور شک وتردید سے نجات کا سبب ہوتا ہے۔ کربلا اسی ایمان کا درس دیتی ہے۔ چنانچہ جب ابن عباس نے مولا امام حسین علیہ السلام سے التجا کی کہ عراق کے بجائے کہیں اور چلے جائیں تو آپ نے فرمایا: "انی ماض فی امر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم و حیث امرنی و انا لله وانا الیه راجعون[1] "اور یوں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کی پیروی اور خدا کے جوار رحمت کی طرف بازگشت کی جانب اپنے مصمم ارادہ کا اظہار فرمادیا ، وگرنہ بار بار اصحاب اور رشتہ داروں کے خیر خواہانہ مشورے، کوفیوں کی بے وفائی اور آپ کے والد اور برادر کی مظلومیت اور تنہائی یہ سب چیزیں اپنی جگہ ایک معمولی انسان کے دل میں شک وتردید ایجاد کرنے کے لئے کافی تھیں لیکن امام حسین علیہ السلام، محکم ایمان کی وجہ سے ثابت قدم رہے۔ یہ ایمان وعقیدہ، ارادوں اور عمل کو صحیح سمت دیتا ہے؛ چنانچہ جب حر نے آپ کے قافلہ کا راستہ روکا تو آپ نے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا:" سیغنی الله عنکم[2] "،"میری تکیہ گاہ خدا ہے اور وہ مجھے تم لوگوں سے بے نیاز کرے گا "۔ جب کوفہ کے حالات بیان کرتے ہوئے آپ سے کہا گیا کہ لوگ آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا:" حسبی الله ونعم الوکیل[3]۔ " عاشور کی صبح جب سپاہ یزید نے امام کے خیموں کی طرف حملہ کرنا شروع کیا تو اس وقت بھی آپ کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور خدا سے مناجات کرتے ہوئے یوں فرمارہے تھے" خدایا! ہر سختی اور مشکل میں میری امید اور میری تکیہ گاہ تو ہی ہے، خدایا! جو بھی حادثہ میرے ساتھ پیش آتا ہے اس میں میرا سہارا تو ہی ہوتا ہے، خدایا! کتنی سختیوں اور مشکلات میں تیری درگاہ کی طرف رجوع کیا اور

---

۱ معالی السبطین، ج۱، ص ۲۴۶.
۲ موسوعہ کلمات امام حسین، ص۳۷۷؛ العوالم، الامام الحسینؑ، ص ۲۳۳۔
۳ موسوعہ کلمات امام حسین، ص۳۷۸۔

تیری طرف ہاتھ بلند کئے تو تو نے ان مشکلات کو دور کیا[۱]"، جب وہب بن عبداللہ دوسری مرتبہ میدان کربلا کی طرف نکلے تو اپنے رجز میں اپنا تعارف کرایا کہ میں خدا پر ایمان لانے والا اور اس پر یقین رکھنے والا ہوں[۲]۔

کربلا والوں کی طرح حسینی عزاداروں کا ایمان بھی ایسا محکم ہونا چاہیئے جو انھیں راہ حق پر ثابت قدم رکھ سکے۔

۲- تسلیم و رضا

مدینہ طیبہ چھوڑنے سے پہلے سرکار سید الشہداء علیہ السلام اپنے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر پر خداوند عالم سے مناجات میں فرماتے ہیں: "اَسئَلُکَ یَاذَالجلالِ وَالاِکرَام، بِحَقِ ھٰذَا القَبْرِ وَمَنْ فیه اِن اختَرتَ لِی مٰاھُولکَ رَضیً وَلِرَسُولکَ رضیً؛[۳] اے صاحب جلالت و کرامت معبود، اس قبر اور صاحب قبر کے حق کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے سامنے اس راستہ کو رکھنا جو تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی کا باعث ہو"۔

جس وقت " ابو بکر بن عبد الرحمن " نے مولا امام حسینؑ سے عراق نہ جانے کی درخواست کی تو امامؑ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: " جو کچھ خدا نے مقرر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا"[۴]۔

جب آپ کی پھوپھی "ام ہانی" نے امامؑ کے مدینہ سے ہجرت کرتے وقت محبت آمیز درد بھرے انداز میں فرمایا: " میں نے سنا ہے کہ آپؑ مرنے کے لئے جا رہے ہیں؟" امامؑ نے جواب میں فرمایا: "کُل الذی مُقدَّرٌ فھُوَ کائن لا محالة؛[۵] جو کچھ خداوند عالم نے مقدر و معین کر دیا ہے ہو کر رہے گا"۔

۱۔ الارشاد، ج ۲، ص ۹۶؛ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۔
۲ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۷، مناقب، ج ۴، ص ۱۰۱۔
۳۔ خوارزمی، مقتل الحسین، تحقیق شیخ محمد السماوی، ج ۱، ص ۱۸۶۔
۴۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۷، ص ۱۴۰۔
۵۔ جمعی از نویسندگان، موسوعة کلمات الامام الحسینؑ، ص ۳۰۶۔

امام حسینؑ اپنے معروف وصیت نامہ میں کہ جو انقلاب عاشور کا منشور شمار ہوتا ہے، تحریر فرماتے ہیں: "وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللهِ عَلَیهِ تَوَکَّلتُ وَاِلَیهِ اُنِیبُ؛[1] میں بس اللہ سے توفیق کا امید وار ہوں، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی جانب گامزن ہوں"۔

جس وقت "عبد اللہ بن مطیع" نے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں بتایا، تو امامؑ نے ان سے فرمایا: "یَقضِی اللهُ مَا اَحَب؛[2] خداوند عالم جو چاہتا ہے وہ معین کرتا ہے۔"

غرض تسلیم و رضا، کربلا والوں بالخصوص امامؑ کی ایک ایسی ممتاز صفت ہے جو ہر موقع و منزل پر قابل مشاہدہ ہے، یہاں تک کہ آپ کی آخری دعا و مناجات کے الفاظ ہیں: "صَبراً عَلیٰ قَضَائِکَ یَا رَبِّ لَا اِلٰهَ سِوَاکَ، یَا غِیَاثَ المُستَغِیثِینَ، مَالِی رَبٌّ سِوَاکَ وَلَا مَعبُودٌ غَیرُکَ، صَبراً عَلیٰ حُکمِکَ؛[3] پالنے والے تیری قضا و قدر پر صابر ہوں! تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اے استغاثہ کرنے والوں کی فریاد سننے والے، تیرے علاوہ میرا کوئی رب ہے اور نہ کوئی معبود، میں تیرے فیصلہ پر راضی و خوش ہوں"۔ لہذا مرضی الٰہی پر راضی رہنا، ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا اور اوامر و احکام الٰہی کے آگے سراپا تسلیم ہونا کربلا کا ایسا عظیم درس ہے، جس کی رعایت حقیقی عزادار کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۳۔ عزت نفس

بہت ساری مشکلوں کی وجہ، عزت نفس کا فقدان ہے۔ اجتماع میں وارد ہونے سے ڈرنا، ذمہ داریوں کو قبول نہ کرنا، ناکامیوں کا خوف اور ہار جانے کا اندیشہ وغیرہ کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو عزت نفس کے حامل نہیں ہوتے۔ اور جس سماج میں عزت نفس نہیں پائی جاتی کربلا رونما ہوتی ہے۔ اس کے بر خلاف جو لوگ عزت نفس کے مالک ہوتے ہیں وہ قتل ہو کر بھی زندہ جاوید بن جاتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۹۔
۲۔ دینوری، الاخبار الطوال، ص ۲۲۹۔
۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۵۱۰۔

جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ان کے بچپنے کے زمانے میں محبت و احترام سے نواز کر عزت نفس کا مالک بنایا چنانچہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ بیٹھے ہوئے تھے اچانک شاہزادے وارد ہوئے، پیغمبرؐ ان دونوں کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھے ان کے قریب گئے، باہوں کو پھیلایا، دونوں کو اپنے کاندھوں پر سوار کیا، چل دیئے اور فرمایا:"نِعْمَ الْمطِیّ مَطِیکُما وَ نِعْمَ الراکبانِ اَنْتُما؛[1] اے میرے بچوں تمہاری سواری کتنی اچھی ہے اور تم بھی کتنے اچھے سوار ہو"؛ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے بھی اپنے بچوں کی تربیت میں اس کا خیال رکھا اور ان کی شخصیت سازی میں پیغمبرانہ سیرت کا مظاہرہ فرمایا، چنانچہ عبد اللہ بن عتبہ کا بیان ہے:"ایک دن میں حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں تھا اتنے میں آپؑ کے بیٹے (امام سجاد علیہ السلام) وارد ہوئے امامؑ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اپنے سینہ سے لگایا، ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا:"بِاَبِی اَنتَ مَا اَطیَبُ ریحُک وَ اَحْسَنُ خُلقِک؛[2] میرا باپ تم پر فدا ہو! کتنے خوشبودار اور خوبصورت ہو"۔

عبید اللہ بن زیاد کے بارے میں مولا امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان:"أَلا وَإنَّ الدَّعیَّ ابنَ الدَّعیِّ قَد رَکَّزَ بَینَ اثنَتَینِ بَینَ السِّلَّۃِ وَالذِلَّۃِ وَھَیھاتَ مِنّا الذِلَّۃُ؛[3] نجس ابن نجس نے مجھے شہادت اور ذلت کے درمیان مخیر کر دیا ہے لیکن ذلت ہم سے کوسوں دور ہے"؛ کربلا والوں کی عزت نفس کا ایک نمونہ اور عزاداروں کے نام کھلا پیغام ہے کہ حقیقی حسینی عزادار کبھی ذلت کا سودا نہیں کرتا، وہ جان دے سکتا ہے مگر ذلت آمیز زندگی نہیں گذار سکتا۔

۴-شریک حیات کا احترام

بلاشبہ شریک حیات کی شخصیت، گھر کی رونق اور بچوں کے رشد و کمال کا سبب ہے۔ جس گھر میں میاں۔بیوی ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں وہ اپنے بچوں کے بہترین ماں باپ بھی ہوتے ہیں۔ میل و محبت، سکون و احساس اور پوری انرجی کے ساتھ اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں، اس کے بالمقابل ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے کا شکار والدین کی شخصیت، بچوں پر برے اثرات چھوڑتی ہے؛ ایسے بچے حقیر و ذلیل پروان چڑھتے ہیں۔ ائمہ معصومین

۱۔ سید بن طاووس، اللھوف، ص۱۰۸۔
۲۔ کفایۃ الاثر، ص۲۳۵۔
۳۔ سید ابن طاووس، اللھوف، ص۱۸۰۔

علیہم السلام اور بالخصوص امام حسین علیہ السلام کی سیرت طیبہ، شریک حیات کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ سے بہترین مشعل راہ ہے۔ چنانچہ عاشور کے دن جس وقت "ہلال بن نافع" جنگ کے لئے آمادہ تھے، اور ان کی جوان بیوی ان کے جانے سے رنجیدہ و پریشان ہو کر بہت شدت سے رو رہی تھی، مولا امام حسینؑ نے "**ہلال بن نافع**" سے فرمایا: "اِنَّ اَهلَكَ لَا يُطِيبُ لَها فِراقُكَ، فَلو رَايتَ اَن تَختارَ سُرورَها عَلَى البرازِ؛[1] تمہاری زوجہ تمہاری جدائی کو پسند نہیں کرتی، تو تم آزاد ہو اور اس کی خوشی کو جنگ پر مقدم کر سکتے ہو"۔

کربلا کے میدان میں ایمر جنسی اور حساس حالات کے باوجود شریک حیات کی تکریم و احترام کے سلسلہ سے، سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی یہ سیرت، حسینی واقعی عزاداروں کو پیغام ہے کہ ایک بہترین اور باایمان نسل کی پرورش کے لئے ضروری ہے کہ میاں۔بیوی ایک دوسرے کا احترام کریں اور اپنے بچوں کو اپنے عمل کے ذریعہ دینی تربیت کریں۔

ماں باپ کی رفتار اور ان کا اخلاق و کردار بچے کی شخصیت پر اس قدر اثر انداز ہے کہ ہمارے بعض دینی متون میں بہت لوگوں کا خوشبخت اور بدبخت ہونا ان کے حمل کے زمانہ سے مربوط جانا گیا ہے[2]۔ امام حسینؑ بھی پاکیزہ اور باعفت ماؤں کی تربیت کے آثار کو بیان کرتے ہیں اور اس کے گہرے اور مضبوط اثرات کو لوگوں کی زندگی میں اس طرح سے شرح دیتے ہیں: " أَلا وَإِنَّ الدَّعيَّ ابنَ الدَّعيِّ قَد رَكَّزَ بَينَ اثنَتَينِ بَينَ السُلَّةِ وَالذِلَّةِ وَهَيهاتَ مِنّا الذِلَّةُ يَأبِى اللّٰهُ ذلكَ لَنا وَرَسولُهُ وَالمُؤمِنونَ وَحُجورٌ طابَت وَطَهُرَت وَأنوفُ حَمِيَّةٍ وَنُفوسُ أبِيَّةٍ مِن أن تُؤثِرَ طاعَةَ اللِئامِ عَلى مَصارِعِ الكِرامِ؛[3] نجس ابن نجس (عبید اللہ بن زیاد) نے مجھے ان دو راستوں (موت اور ذلت) میں سے ایک کو انتخاب کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لیکن ہیہات! کہ ہم ذلت اور رسوائی کو قبول کریں، خداوند اور اس کا رسولؐ اور مومنین اور پاک دامن گودیاں اور غیر تمند افراد یہ پسند نہیں کرتے کہ کم ظرفوں اور پست فطرت افراد کی اطاعت کو عزت کی موت پر ترجیح دی جائے"۔

اس بیان میں امامؑ نے ذلت اور پستی کے راستے کو قبول نہ کرنے کی دلیلوں میں سے ایک، ماں کی پاک دامنی کو جانا ہے کہ جو ایسے افکار کے وجود میں آنے کا زمینہ فراہم کرتی ہے۔ عاشور کے دن دلوں کو جگانے اور سب

۱۔ گروہی از نویسندگان، موسوعة كلمات الامام الحسينؑ، ص۴۴۷۔
۲۔ " الشَّقِى مَن شَقِي فِى بَطنِ اُمه وَالسَّعيدُ مَن سَعدَ فِى بَطنِ امة "، علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج۱، ص۲۷۔
۳۔ سید ابن طاووس، اللھوف، ص۱۸۰۔

لوگوں پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے اپنی نسبت کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سے بیان کیا ہے: "انشدکم اللّٰہ هل تعلمون ان امی فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیه و آله وسلم؟ قالوا: أللهم نعم۔ انشدکم اللّٰہ هل تعلمون أن جدتی خدیجة بنت خویلد أول نساء هذه الامة اسلاماً؟ قالوا: أللهم نعم؛ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میری ماں فاطمہ زہراؑ دختر محمد مصطفیؐ ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو خدیجہ بنت خویلد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون میری نانی ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں"۔

معاویہ سے مولا کا یہ خطاب: "ہماری سعادت، حضرت فاطمہؑ و خدیجہؑ جیسی پاک دامن ماوؤں کے زیر سایہ تربیت کا نتیجہ ہے"[1] بھی اسی تناظر میں ہے۔

۵۔ انداز گفتگو

گفتگو، شخصیت کی پہچان کا ذریعہ بھی ہے اور مد مقابل کے تئیں، بولنے والے کے جذبات کا اظہار بھی۔ اسی لئے انداز بیان، لحن، آواز کا اتارچڑھاؤ اور کلمات کا انتخاب، مخاطب افراد پر اچھے یا برے اثرات چھوڑتا ہے۔ نرم، اچھی اور محبت آمیز گفتگو محبت کی جڑوں کے دلوں میں مضبوط ہونے کا باعث ہے، اس کے برخلاف بات چیت میں تند روی،، بد بینی اور نفرت کا سبب بنتی ہے۔ دوست اور دشمن سے بات کرنے کا انداز بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ جب ہم اس سلسلہ میں حضرت امام حسینؑ کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو آپ کو اپنی بیٹی سکینہ سے یوں گفتگو فرماتے دیکھتے ہیں: "یَا نُورَ عَینِی، کَیفَ لَا یَستَسلِمُ لِلمَوتِ مَن لَا نَاصِرَ لَهُ وَ لَا مُعِینَ؛[2] اے میری نورِ نظر! جس کا کوئی ناصر و یاور نہ رہ جائے وہ موت کے سامنے کیسے تسلیم نہ ہو"۔ اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو دشمن کے لشکر کی حرکت کا سبب جاننے کے لئے بھیجتے وقت، ان سے اپنے قلبی لگاؤ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے پاتے ہیں: "یَا عباسُ، اِرکَب بِنَفسِی اَنتَ- یَا اَخِی- حَتیّٰ تلقاهم فَتَقُولُ لَهم: مَالَکُم؟ وَ مَا بَدَا لَکُم وَ تَسئَلُهُم عَمَّا جَاءَ بِهِم؛[3] میرے بھائی عباس، میری جان تم پر فدا ہو، سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ اور لشکر کے آنے کا سبب پوچھو"۔ جس وقت حضرت قاسمؑ نے اپنی شہادت کے سلسلے سے پوچھا، امام حسینؑ نے ان سے پیار بھرے انداز میں فرمایا: "اَیْ وَاللّٰہِ۔ فِدَاکَ عَمُّکَ۔ اِنَّکَ

۱۔ طبرسی، الاحتجاج، ج۱، ص ۲۸۲۔
۲۔ موسوعة کلمات الامام الحسینؑ، ص ۴۹۰۔
۳۔ تاریخ طبری، ج۴، ص ۳۱۵۔

لَاحَدٌ فَمَن یقتل من الرجال معی؛[۱] ہاں، تمہارا چچا تم پر فدا ہو، خدا کی قسم! تم بھی مردوں کی اس فہرست میں ہو جو میرے ساتھ شہید ہوں گے"۔ لیکن جب آپ دشمن سے مخاطب ہوتے ہیں تو دربار ولید میں "مروان" کو "یابن الزرقاء[۲]"، حر کی بدتمیزی کے جواب میں "ثَکِلَتکَ اُمُّکَ[۳]" اور حر کے راہ راست پر آجانے کے بعد بوقت شہادت اس کے سرہانے "بَخٍّ بَخٍّ لکَ یَا حُر، اَنتَ حُرٌّ کَمَا سُمِّیتَ فِی الدُّنیَا وَ الْآخِرَۃِ، واللہِ مَا اَخْطَاتَ اُمُّکَ اِذ سَمَّتْکَ حُرّاً، فَانتَ وَاللہِ حُرٌّ فِی الدنیا و سَعیدٌ فِی الْاٰخِرَۃِ"[۴]؛ جیسے آپ کے فرمودات عزاداروں نام واضح پیغام ہیں کہ گفتگو کرتے وقت موقع و محل کی شناخت، دوست و دشمن کی پہچان اور اسی لحاظ سے انداز گفتگو کا انتخاب ضروری ہے۔

۶۔وفاداری

یوں سرکار سید الشہداء مولا امام حسینؑ کے فرمان: "فَاِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوفیٰ مِنْ اَصْحَابِی؛[۵] میں اپنے سے زیادہ باوفا صحابیوں کو نہیں جانتا"؛ کی روشنی میں تمام اصحاب و جانثاران حسینی، پیکر وفا تھے۔ پھر بھی حضرت عباسؑ اپنی بے مثال جاںثاری و فداکاری اور وفاداری کی وجہ سے وفا کا ایسا نمونہ ہیں جس کا جواب لانے سے دنیا قاصر ہے۔آپ نہ صرف یہ کہ خود اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ دفاع حق اور آقا و مولا کی مدد کے لئے کربلا میں حاضر تھے بلکہ آپؑ نے اپنے تین بھائیوں کو بھی اس راہ میں تشویق و ترغیب کرتے ہوئے ان سے فرمایا: "یَا بَنِی اُمِّی تَقَدَّمُوا حتی اَرَاکُم قَد نَصَحْتُم لِلہِ وَ لِرَسُولِہ؛[۶] میرے بھائیوں! آگے بڑھو، میں تمہیں خدا و رسول کی راہ میں پیش گام دیکھنا چاہتا ہوں"۔اور جس وقت شمر آپ کے لئے امان نامہ لایا، آپ نے جواب میں فرمایا: " تَبَّتْ یَدَاکَ وَ لُعِنَ مَا جِئْتَ بِہِ مِنْ اَمَانِکَ یَا عَدُوَّ اللہِ اَتَأْمُرُنَا اَنْ نَتْرُکَ اَخَانَا وَ سَیِّدَنَا الْحُسَیْنَ بْنَ فَاطِمَۃَ ع وَ نَدْخُلَ فِی طَاعَۃِ اللُّعَنَاءِ...؛[۷] اے دشمنِ خدا! تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تیرے امان نامہ پر لعنت؛ تیرا خیال ہے کہ میں اپنے بھائی اور آقا و مولا حسین فرزند حضرت فاطمہ زہراؑ

۱۔ سید ہاشم بحرانی، مدینۃ المعاجز، ج۴، ص ۲۱۴۔
۲۔ سید ابن طاووس، اللہوف، ص ۱۹۔
۳۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۲۰۰۔
۴۔ سید ابن طاووس، اللہوف، ص ۱۹۲۔
۵۔ سید محسن امین، اعیان الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۷۷۔
۶۔ سابقہ حوالہ۔
۷۔ سابقہ حوالہ۔

کو چھوڑ کر، ملعونوں کی اطاعت میں آ جاؤں؟....."۔

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے لشکر کے علمدار تھے؛حضرت عباسؑ کا علم ،جس وقت یزید کے دربار میں لایا گیا،اوریزید نے دیکھا کہ اس پرچم میں کوئی جگہ سالم نہیں ہے،اس نے پوچھا: اس کو کون اٹھاتا تھا؟جواب دیا گیا: عباسؑ بن علیؑ۔یزید نے کہا: "ھکذا یَکُونُ وَفاءُ الأخِ لأخیہ؛[1] بھائی کی بھائی کے لئے وفا ایسی ہی ہونی چاہیئے"۔

آپؑ کی جانثاری وفداکاری اور وفاداری کا اوج و کمال تو وہ موقع ہے جب تین دن کی پیاس کے عالم میں، خشک ہونٹوں کے ساتھ ،آپ پانی کی موجوں کے درمیان ہیں مگر اپنی بے انتہا پیاس کے باوجود اپنے آقا و مولا کی پیاس کو یاد رکھتے ہوئے آپ نے پانی کو منھ نہ لگایا اور فرمایا: "وَاللهِ لاأَذُوقُ الْماءَ وَسَيِّدی الْحُسَيْن عَطْشاناً؛[2] خدا کی قسم! میں پانی نہیں پیوں گا میرا آقا و سردار حسینؑ پیاسا ہے"۔کیا دنیا، وفاداریا اور جانثاری کا ایسا کوئی نمونہ پیش کرسکتی ہے جو ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد بھی یہ کوشش کرے کہ پانی کو اپنے آقا اور ان کے بچوں تک پہنچادے!۔

سرکار وفا حضرت عباسؑ کے یہ کلمات اور سیرت و کردار ،تمام عزاداران حسینی کے لئے ادب،ولایت مداری، شجاعت اور جانثاری و وفاداری کا ایسا نمونہ ہے جسے ہر عزادار کو اپنانا چاہیئے۔

۷۔اچھائیوں کی جانب ہجرت

کربلا کی مقناطیسی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلوں کی پاکیزگی اور ضمیروں کی بیداری کا سبب ہے۔ اس میں خوبیوں کی جانب پلٹنے اور برائیوں سے نجات پانے کے ایسے نمونے پائے جاتے ہیں جہاں لشکر مخالف کا سردار بھی، اپنے بر وقت صحیح فیصلہ کی بدولت بہترین شہیدوں میں شامل نظر آتا ہے۔عاشور کے دن، حضرت حرؑ نے مولا امام حسینؑ کی صدائے استغاثہ: "اَمَا مُغِیثٌ یُغِیثُنا لِوَجْہِ الله؛[3] سن کر خود کو امامؑ تک پہنچایا اور کہا: میں نے ہی سب سے پہلے آپؑ کا راستہ روکا، مجھے اجازت دیجئے کہ آپؑ کی راہ میں شہید ہونے والا پہلا بنوں اور آپؑ کے جد سے مصافحہ کروں"۔امام حسینؑ نے کرامت و بزرگواری اور عفو و درگذر کی اعلی مثال قائم کرتے

۱۔ محمد محمدی اشتہاردی، سوگنامہ آل محمدؑ، ص ۳۰۰۔
۲۔ محمد محمدی اشتہاردی، سوگنامہ آل محمدؑ، ص ۳۰۴۔
۳۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۳۔

ہوئے اس کی توبہ قبول کرلی اور اس کی زندگی کے آخری لمحات میں سرہانے بیٹھ کر: "اَنْتَ الْحُرُ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ وَ اَنْتَ الْحُرُّ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃ؛[1] جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام رکھا ہے تم ویسے ہی دنیا و آخرت میں آزاد ہو"؛ کا فرمان سنا کر، اچھائیوں کی جانب ہجرت، کے سب سے بلند نمونہ کی نشاندہی فرمادی۔ اور ہر عزادار کے لئے واضح کر دیا کہ برائیوں پر اچھائیوں کے غلبہ کی راہ ہموار کرنا ہی عزاداری کا نصب العین ہے۔

۸۔ پردے کی پابندی

تحریک عاشور کے تربیتی نمونوں میں روشن ترین جلوہ، حجاب و عفاف کی رعایت ہے، جو اس بات کی نشاندہی ہے کہ حق و ولایت کے وفاع کے لئے، حجاب و عفاف اور حدود الٰہی کی رعایت کے ساتھ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ کبھی کبھی واجب و لازم اور ضروری بھی ہے۔ دشمن کے سپاہیوں نے اہل حرم کی بے حرمتی کی، ان کی چادریں چھین لیں، مگر پھر بھی انھوں نے پردے کی رعایت کی وہ مثال پیش کی جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بی بی "ام کلثوم" جس وقت کوفہ پہنچیں، تو تماشائیوں کو للکارتے ہوئے فرمایا: "یَا اَهْلَ الْکُوفَةِ اَمَا تَسْتَحْیُونَ مِنَ اللهِ وَ رَسُولِهِ اَنْ تَنْظُرُوْنَ اِلیٰ حَرِمِ النَّبِی؛[2] اے کوفہ کے لوگوں! کیا تم خدا اور اس رسول سے شرم نہیں کرتے کہ تم حرم نبیؐ کی جانب نگاہ کرتے ہو؟"۔ شام میں داخل ہوتے وقت بھی حضرت ام کلثوم نے شمر کو بلایا اور اس سے چاہا کہ ان کو اس دروازے سے وارد کرے کہ جہاں کم لوگ ہوں اور شہیدوں کے سروں کو آگے رکھے تاکہ لوگ سروں کو دیکھنے میں لگ جائیں اور پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ کی بے پردگی نہ ہو۔ لیکن بدذات شمر نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا اور قیدیوں کو باب ساعات سے شام میں وارد کیا[3]۔

ایسا ہی حضرت سکینہؑ سے بھی نقل ہوا ہے کہ سہل بن سعد نے جس وقت سمجھا کہ یہ لوگ پیغمبرؐ کی نسل سے ہیں، آگے بڑھا اور ان میں سے ایک سے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا: امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ۔ پوچھا: کیا میں کوئی کام تمہارے لئے انجام دے سکتا ہوں۔ میں سہیل، تمہارے جد رسول خداؐ کا صحابی ہوں، حضرت سکینہؑ نے فرمایا: اس سر کے نیزہ بردار سے کہو کہ ہم سے آگے چلے تاکہ لوگ اس کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور رسول خداؐ کے حرم کی طرف نہ دیکھیں، سہیل تیزی کے ساتھ گیا اور چار سو درہم اس نیزہ بردار کو دیا اور وہ سر

۱۔ سابقہ حوالہ، ص ۱۵، ۱۴۔
۲۔ عبد الرزاق المقرم، مقتل الحسین، ص ۴۰۰۔
۳۔ سید محسن الامین، اعیان الشیعۃ، ج ۳، ص ۴۸۵۔

کو مخدرات سے دور لے کر چلا گیا۔[۱]

حضرت زینبؑ نے یزیدی ظلم کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ہتک حرمت پر بھی اعتراض کیا اور پردہ کے دفاع میں بھی فرمایا: " اے فتح مکہ کے آزاد ہونے والوں کے بچے، کیا یہ عدالت ہے کہ تم اپنی بیویوں اور کنیزوں کو پردے میں رکھو، لیکن رسول خداؐ کی بیٹیوں کو قیدی بنا کر، ان کی بے حرمتی کرو، ان کے چہروں کو اجاگر کرو اور دشمنوں کے قبضہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر اس طرح گھماؤ کہ شہروں، آبادیوں، قلعوں اور بیابانوں کے لوگ انھیں دیکھیں اور دور اور نزدیک سے ان کے چہروں کا نظارہ کریں؟ . . . . "[۲]۔

کوفہ میں ابن زیاد سے امام سجادؑ کا یہ فرمان: "مسلمان اور پاکدامن مرد کو ان خواتین کے ساتھ بھیجو، اگر تو اہل تقویٰ میں سے ہے؟"[۳]، اہل حرم کے حجاب کی پاسداری کے ضمن ہی میں تھا۔

حضرت زینبؑ اور دیگر مخدرات کربلا نے تحریک کربلا میں امام حسینؑ بن علیؑ کے شانہ بہ شانہ رہ کر عزاداروں کو یہ پیغام دیا ہے کہ پردے کی رعایت اسلامی سماج کی وہ اہم ترین ضرورت ہے جس کا خیال ہر عزادار مرد اور عزادار عورت کو رکھنا چاہیئے۔

۹۔ مواسات وایثار

برابری و مواسات، یعنی دوسروں کو جان و مال میں، اپنے جیسا ہی دیکھنا اور جاننا یا دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھنا[۴]؛ حسن معاشرت کے اعلی ترین صفات میں سے ہے۔ دین مبین اسلام نے بھی اس پر زور دیا ہے؛ کچھ روایتوں میں اسے اول وقت نماز کے ساتھ مومنین کی خصوصی صفت[۵]، شیعوں کی ان کے غیر سے پہچان کا معیار و میزان[۶] اور خدا سے تقرب کا وسیلہ بتایا گیا ہے: "تَقَرَّبُوا اِلَی اللّٰہِ تَعَالیٰ بِمُواسَاۃِ اَخْوانِکُم"[۷]۔

۱۔ باقر شریف القرشی، حیاۃ الامام الحسین بن علی، ج ۳، ص ۳۰۷۔

۲۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۷۸ "امن العدل یابن الطلقاء تخدیرک وحرائرک وامائک وسوقک بنات رسول اللہ سبایا قد ھتکت ستورھن وابدیت وجوھھن تحدوبھن الاعداء من بلد الی بلد ویستشرفھن اھل المناھل والمعاقل ویتصفح وجوھھن القریب والبعید. . . "

۳۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۵۰۔

۴۔ علی اکبر دھخدا، لغت نامہ دھخدا، ج ۱۳، ص ۲۰۷۹۳۔

۵۔ محدث قمی، سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۲۳۔

۶۔ بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۳۹۱۔

۷۔ سابقہ حوالہ۔

کربلا والے اس خدا پسند خصلت کے بہترین نمونہ تھے، بلکہ وہ لوگ مواسات و برابری کی حدوں سے گزر کر ایثار کے اعلی ترین مقام کو پہنچ چکے تھے، امامؑ کے ساتھی امامؑ کی بہ نسبت اور خود ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حالت رکھتے تھے اور کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کرتے تھے۔ کربلا کے راستے میں حر سے روبرو ہونے اور اس کے ساتھ لمبی گفتگو کرنے کے بعد جس شعر کو مولا نے زبان اقدس پر جاری کیا اس کے معنی یہ ہیں: "میں اپنے راستے پر جاؤں گا؛ موت اس جوانمرد کے لئے ذلت و پستی نہیں ہے جس نے خیر کی نیت کی ہو، جہاد کیا اور نیک و صالح افراد کے ساتھ مواسات رکھتا ہو"[۸]۔ شب عاشور اپنے باوفا ساتھیوں سے فرمایا: "مَنْ وَاسَانَا بِنَفْسِهِ كَانَ مَعَنَا غَداًفِي الْجِنَانِ نَجِيًّا مِنْ غَضَبِ الرَّحْمٰنِ؛[۹] جو کوئی بھی اپنی جان کے ساتھ ہمارے لئے مواسات رکھتا ہوگا، کل قیامت کے دن جنت میں ہمارے ساتھ ہوگا اور خدا کی ناراضگی سے نجات پائے گا"۔

کربلا میں مواسات و ایثار کا خوبصورت ترین جلوہ اس وقت دکھائی دیا جب اصحاب حسینی اور بنی ہاشم ایک دوسرے سے پہلے جان دینے اور مرنے کی کوشش کرتے نظر آئے؛ حضرت عباسؑ بنی ہاشم سے فرماتے ہیں: "...اصحاب ہمارے مہمان ہیں، کل صبح پہلے ہمیں میدان میں جانا ہے اور ان سے پہلے موت کا استقبال کرنا ہے..."؛ بنی ہاشم اٹھے، تلواروں کو کھینچ لیا اور کہنے لگے: " ہم سب آپؑ کے ساتھ ہم عقیدہ ہیں"؛ دوسری جانب تمام اصحاب، جناب حبیبؓ کے ارد گرد جمع تھے، حبیبؓ کہہ رہے تھے: "... صبح میدانِ جنگ میں پہلے ہم جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم میں سے کوئی خون میں غلطاں ہو جائے، جبکہ ہمارے جسموں میں جان اور رگوں میں خون رہے، اور لوگ کہیں کہ اپنے سرداروں کو جنگ کے لئے بھیج دیا اور خود فداکاری و جانثاری سے بچ گئے"؛ سب نے تلواریں نکال لیں اور کہنے لگے: " ہم سب آپ کے ہم عقیدہ ہیں"[۱۰]۔

کربلا والوں کے ایثار و مواسات کی گواہی مولاامام حسینؑ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے دو غفاری جوانوں کے لئے صادر فرمایا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئے اور میدان میں جانے کی اجازت مانگی، امامؑ نے ان دونوں سے فرمایا: خداوند تم کو بہترین اجر و جزا دے گا کہ اس طرح میری مدد اور مواسات کے لئے حاضر ہو[۱۱]۔

۸۔ سابقہ حوالہ، ج۴۵، ص۲۳۸۔
۹۔ موسوعۃ کلمات الحسینؑ، ص۳۹۹۔
۱۰۔ موسوعۃ کلمات الحسینؑ، ص۴۰۹۔
۱۱۔ بحار الانوار، ج۴۵، ص۲۹۔

حضرت عباسؑ کے زیارت نامہ میں "فَلَنِعْمَ الْاَخِ الْمُواسِي"[۱]،"السَلامُ عَلیكَ اَیهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَالصِّدِّيْقُ الْمُواسی..."[۲]؛ جیسے الفاظ آپ کی جانثاری کا واضح وآشکار اور روشن و منور ثبوت بھی ہیں اور حسینی عزاداروں کے نام کھلا پیغام بھی کہ حقیقی عزادار اور عاشق مولا وہی ہے جو خود کو کردار حسینی میں ڈھالنے کی کوشش کرے اور افراد بشر کے تئیں مواسات و ایثار کے جذبہ سے سرشار ہو۔اس لئے کہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھنا اور جانثاری، جہاں ایک طرف ایک دوسرے کے مشکلات میں مددگار رہنے کا سبب ہے، وہیں راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی دلگرمی کا باعث ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تنہا نہیں ہیں۔

۱۰۔ رازداری

ابن زیاد کے کارندوں نے امامؑ کے نامہ بر سفیر "قیس بن مسہر" کو "قادسیہ" کے مقام پر گرفتار کرلیا۔ قیس نے راز محفوظ رکھنے کی غرض سے خط نگل لیا اور بہت دباو کے باوجود بھی نہ اس کے مضمون کی اطلاع دی اور نہ ان لوگوں کے نام ظاہر کئے جن کے نام وہ خط تھا۔ نتیجتاً ان کو دارالامارہ سے نیچے گرادیا گیا اور ان کی شہادت ہوگئی[۳]۔اوراس طرح "قیس بن مسہر" نے راز داری کی وہ مثال قائم کی جو واقعہ عاشور کے تربیتی بہترین نمونوں میں ایک اعلی ترین نمونہ ہے۔

ان نمونوں کے علاوہ بھی ایسے بہت سے تربیتی نمونے ہیں جنھیں کربلا سے اخذ کیا جاسکتا ہے ، جیسے نیکیوں کی تشویق[۴]، اول وقت نماز[۵] کی ادائیگی، ادب کی رعایت[۶]، ترک و فارس کے شہید اور قومیت زدایی[۷]، وغیرہ جن پر تفصیلی تحقیق کی ضرورت ہے اور اس مقالہ میں اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔

رب کریم سے دعا ہے کہ ہمیں کربلاوالوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کرامت فرمائے۔آمین یارب العالمین

۱۔ شیخ عباس قمی، مفاتیح الجنان، ص۴۳۶ زیارت نامہ حضرت عباسؑ۔
۲۔ سابقہ حوالہ، زیارت امام حسینؑ در روز عید قربان، ص۴۴۸۔
۳۔ بحار الانوار، ج۴۴، ص۳۷۰۔
۴۔ مقتل الحسینؑ، مقرم، ص۲۰۸۔
۵۔ بحار الانوار، ج۴۵، ص۲۱۔
۶۔ سابقہ حوالہ، ص۲۲۔
۷۔ سابقہ حوالہ، ص۳۰۔